

## ترتیب

	v	پیش لفظ
	vii	اس کتاب کے بارے میں
1		نظم
3		نَظِيرَاً كَبْرَاً بَادِي
4		آدمی نامہ
7		روٹیاں
9		اسْمَاعِيلَ مِيرْخُنْدِی
10		آبِ زَلَال
13		سَرورَ جَهَانَ آبَادِی
14		مادرِ وطن
16		علی سردار جعفری
17		اُردو
19		آخرِ الایمان
20		ایک رُکا

## گیت

24

**محر عظمت اللہ خاں**

25

پیارا پیارا گھر اپنا

26

**شاد عارفی**

27

رنست ہوئی سبیل

28

**آخر شیرانی**

29

روگ کاراگ

30

**میرا جی**

31

اک بستی جانی پچانی.....

32

جیون ایک مداری پیارے.....

33

یوں ہی جوت جلنے کی، مورکھ

34

تہماں سب سے دور، اکیلی

35

**احسان داش**

36

پریت ہے من کاروگ

37

**سلام مجھلی شہری**

38

گیتوں کے ہر دا گوندھوں گی

منظوم ترجمہ (شلوک)

50	بھرتی ہری (مترجم امتیاز الدین خاں)
57	منظوم ڈراما (غناہیہ) امانت لکھنؤی
58	اندر سجھا (تلخیص)
71	طویل نظم (شاہنامہ اسلام)
72	حفیظ جالندھری
73	صحرا کی دعا

# احسان دانش

(1982 — 1914)

احسان دانش اردو میں شاعر مزدور کے قب سے جانے جاتے ہیں۔ وہ کاندلہ، اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کی مالی حالت بہت خراب تھی اس لیے ان کی تعلیم بہت معمولی ہوئی۔ لیکن مطالعے کا شوق ان میں بچپن سے تھا۔ وہ دن بھر محنت مزدوری کرتے تھے۔ فرصت کے اوقات میں شعر و ادب سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور بہت جلد وہ شعر بھی کہنے لگے۔ آواز اچھی پائی تھی، اس لیے مشاعروں میں بہت جلد مقبول ہو گئے۔ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ لاہور میں گزارا، اور آہستہ آہستہ اپنے وقت کے ممتاز استادوں میں شمار ہونے لگے۔ انہوں نے کتابوں کی ایک دو کان کھو لی تھی۔ اس سے معاش بھی حاصل کرتے تھے اور وقت بھی اچھا گزرتا تھا۔

احسان دانش کی نظموں میں غریب طبقوں کی زندگی کا عکس نمایاں ہے۔ انہوں نے مزدوروں پر بہت سی نظمیں کیں۔ انداز میں جذباتیت کارنگ غالب ہے۔ ”نوائے کارگر“، ”چراغاں“ اور ”آتشِ خاموش“ ان کے مشہور مجموعے ہیں۔ ان کی زبان بالعموم سہل اور روائی ہے۔ ہندی بول چال کے لفظوں کو بہت خوبصورتی سے برتبے ہیں۔ کچھ گیت ہندی بھاشا میں بھی لکھے ہیں۔ ان کی رومانی نظمیں بہت پسند کی جاتی تھیں۔ ان میں ”صحیح بنارس“ اور ”بیتے ہوئے دن“ خاص طور پر قبلی ذکر ہیں۔

# پریت ہے من کا روگ

پریت ہے من کا روگ

سکھی ری

پریت ہے من کا روگ

انگ ہے آنی، نین پانی

بولت ہیں سب وش کی بانی

ویوگ میں بیتی جات جوانی

آتی کٹھن بنوگ

سکھی ری

پریت ہے من کا روگ

دھرتی چپ آکاش اندریا

روٹھ گیو، رتین سے سوریا

برہن کا من، دکھ کا ڈریا

چھایو جگ میں سوگ

سکھی ری

پریت ہے من کا روگ

چھب ڈکلا جا کرشن مراری

درس کے پیاسے ہیں نرناری

کھائی ہے ایسی پریم کٹاری

ویاگل ہیں سب لوگ  
سکھی ری  
پریت ہے من کا روگ

(احسان داش)

## سوالات

- .1 شاعر نے پریت کو من کا روگ کیوں کہا ہے؟
- .2 راتوں سے سوریا روٹھ جانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .3 شاعر کرشن مُراری کے درشن کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے؟

# اختر شیرانی

(1948—1905)

داود خاں نام، اختر تخلص، مشہور محقق حافظ محمود خاں شیرانی کے بیٹے تھے۔ ٹونک میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت لاہور میں ہوئی۔ یہاں ان کے والد اور بیٹل کالج لاہور میں استاد تھے۔ اختر شیرانی نے لاہور کے کئی مشہور ادبی رسائل ”ہمایوں“، ”خیالستان“، ”شاہکار“ اور ”انتخاب“ میں ادارتی فرائض انجام دیے۔ عین جوانی میں انتقال ہوا۔

اختر شیرانی نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی۔ لیکن وہ اپنی عشقیے نظموں کے باعث زیادہ مشہور ہوئے۔ وہ حسن و عشق کے طفیل جذبات میزخم انداز میں اور عاشق کے واردات قلبی کو پُر اثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے یہاں حسن پرستی اور سرمستی ہے۔ اختر کی رومانیت خواب و خیال سے زیادہ ہماری اپنی دھرتی اور اُس کے حسن کے ارد گرد گھومتی ہے اس لیے مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اختر نے لیتوں کے علاوہ سانیٹ بھی لکھے۔ ان کی نظموں کا دوسرا موضوع حب الوطنی ہے۔ ان کی نظمیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی محبت اور وطن کی خاطر کسی بھی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

”پھولوں کے گیت“، ”شعرستان“، ”صحیح بہار“، ”غمہ حرم“، ”طیور آوارہ“، ”اخترستان“، ”لالہ طور“، ”شہر رو“ اور ”شبستان“ ان کے شعری مجموعے ہیں۔

## روگ کاراگ

انھیں جی سے میں کیسے بھلاوں سکھی مرے جی کو آکے لجھا ہی گئے  
مرے من میں درد بسا ہی گئے مجھے پریت کا روگ لگا ہی گئے

کیے میں نے ہزار جتن کہ بچا رہے پریت کی آگ سے من  
مرے من میں ابھار کے اپنی لگن وہ لگاؤ کی آگ لگا ہی گئے

بڑے سکھ سے یہ بیت تھے چودہ برس کبھی میں نے پیانا نہ تھا پریم کا رس  
مری آنکھوں کو شیام دکھا کے درس میرے ہر دے میں چاہ بسا ہی گئے

کبھی سپنوں کی چھاؤں میں سوئی نہ تھی کبھی بھول کے ڈکھ سے میں روئی نہ تھی  
مجھے پریم کے سپنے دکھا ہی گئے مجھے پریت کے ڈکھ سے رُلا ہی گئے

رہے رات کی رات، سدھار گئے مجھے سپنا سمجھ کے بسار گئے  
میں تھی ہار، گلے سے اُتار گئے میں دیا تھی جسے وہ بُجھا ہی گئے

سکھی کوئیں ساوائیں گائیں گی پھر نئی کلیاں بھی چھاؤنی چھائیں گی پھر  
مرے چین کی راتیں نہ آئیں گی پھر جنھیں نین کے نیر مٹا ہی گئے

میرے جی میں تھی، بات چھپائے رکھوں سکھی چاہ کو من میں دبائے رکھوں  
اُنھیں دیکھ کے آنسو جو آہی گئے مری چاہ کا بھید وہ پا ہی گئے

(انتر شیرانی)

## سوالات

- .1      من میں درد بسانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .2      گلے سے ہرا تار نے، اور دیا بجھانے کا کیا مفہوم ہے؟
- .3      من کی چھپی ہوئی بات کس طرح ظاہر ہو گئی؟

# آخرالایمان

(1995 — 1915)

آخرالایمان، نجیب آباد، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ مدت تک وہ دلی کالج میں زیر تعلیم رہے اور دہلی یونیورسٹی سے بنی۔ اے کیا۔ شروع میں حکمہ سول سپلائی میں کام کیا، کچھ مدت تک آل انڈیا ریڈیو میں رہے۔ اس کے بعد ممبئی جا کر فلموں سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی نظموں کے چھتے مجموعے 'گرداب' (1943)، 'تاریک سیارہ' (1946)، ایک منظوم تینیل 'سب رنگ' (1948)، 'آب جو' (1959)، 'یادیں' (1961)، 'بنت لمحات' (1969)، 'نیا آہنگ' (1977) شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا کلیات 'سروسماں' (1984) میں مظہر عام پر آیا۔ ان کی خود نوشت کا نام 'اس آباد خرابے میں' ہے۔ چوتھے مجموعے 'یادیں' پر (1962) میں انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ دیا گیا۔ اقبال اعزاز کے علاوہ متعدد صوبائی اکادمیوں نے بھی انھیں اعزازات اور انعامات سے نوازا۔

آخرالایمان کی نظموں میں ایک فلسفیانہ تجسس کی کیفیت ملتی ہے۔ نظم نگاری میں انھوں نے اپنی راہ الگ بنائی ہے۔ نیکی اور بدی کی کشکش، وقت کی اہمیت، خواب اور حقیقت کا تصادم اور انسانی رشتؤں کی دھوپ چھاؤں ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ وہ براہ راست انداز کے بجائے رمزیہ انداز کے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں خودکلامی اور مکالمے کی کیفیت ملتی ہے۔ آخرالایمان اردو نظم کے ممتاز شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

## ایک لڑکا

دیارِ شرق کی آبادیوں کے اوپھے ٹیلوں پر  
 کبھی آموں کے باغوں میں، کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر  
 کبھی جھیلوں کے پانی میں، کبھی بستی کی گلیوں میں  
 کبھی کچھ نیم عریاں کم سفون کی رنگ ریوں میں  
 سحرِ دم جھٹپٹے کے وقت، راتوں کے اندریے میں  
 کبھی میلوں میں، نائلک ٹولیوں میں، ان کے ڈیرے میں  
 تعاقب میں کبھی گم تخلیوں کے، سوئی راہوں میں  
 کبھی تھے پرندوں کی نہفتہ خواب گاہوں میں  
 برہنہ پاؤں، جلتی ریت، تخت بستہ ہواں میں  
 کبھی ہم سن حسینوں میں بہت خوش کام و دل رفتہ  
 کبھی پیچاں گولا ساں، کبھی جیوں چشمِ خوبستہ  
 ہوا میں تیرتا، خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا  
 پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا، مڑتا  
 مجھے اک لڑکا آوارہ منش آزاد سیلانی  
 مجھے اک لڑکا، جیسے تند چشموں کا روائ پانی  
 نظر آتا ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ بلاۓ جاں  
 مرا ہم زاد ہے، ہر گام پر ہر موڑ پر جو لال

اسے ہمراہ پاتا ہوں، یہ سائے کی طرح میرا  
تعاقب کر رہا ہے، جیسے میں مفرور ملزم ہوں  
یہ مجھ سے پوچھتا ہے: اخترالایمان تم ہی ہو؟

خدائے عز و جل کی نعمتوں کا معرف ہوں میں  
مجھے اقرار ہے، اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا  
کہ جیسے بستر کنواب ہو، دبیا و محمل ہو  
مجھے اقرار ہے، یہ نیمہ افلاک کا سایا  
اسی کی بخششیں ہیں، اس نے سورج چاند تاروں کو  
فضاؤں میں سنوارا اک حد فاصل مقرر کی  
چٹانیں چیر کر دریا نکالے، خاکِ اسفل سے  
مری تخلیق کی، مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی  
سمندر، موتیوں مونگوں سے، کانیں لعل و گوہر سے  
ہوا کیں مست کن خوشبوؤں سے معمور کر دی ہیں  
وہ حاکم قادرِ مطلق ہے، کیتا اور دانا ہے  
اندھیرے کو اجائے سے جدا کرتا ہے، خود کو میں  
اگر پہچانتا ہوں، اس کی رحمت اور ستawat ہے  
اسی نے خروی دی ہے لئیوں کو، مجھے لکبت  
اسی نے یادہ گویوں کو مرا خازن بنایا ہے  
تو گمر، ہرزہ کاروں کو کیا، دریوزہ گر مجھ کو  
مگر جب جب کسی کے سامنے دامن پسара ہے  
یہ لڑکا پوچھتا ہے: اخترالایمان تم ہی ہو؟

معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے، میرے قبضے میں  
جز اک ذہن رسا کچھ بھی نہیں، پھر بھی مگر مجھ کو  
خوشِ عمر کے اتمام تک اک بوجھ اٹھانا ہے  
عناسِ منتشر ہو جانے، نبضیں ڈوب جانے تک  
نوائے صبح ہو یا نالہ شب، کچھ بھی گانا ہے  
ظفرمندوں کے آگے رزق کی تخلیل کی خاطر  
کبھی اپنا ہی نغمہ ان کا کہہ کر مسکرانا ہے  
وہ خامہ سوزی شب بیداریوں کا جو نتیجہ ہے  
اسے اک کھوٹے سکے کی طرح سب کو دکھانا ہے  
کبھی جب سوچتا ہوں اپنے بارے میں تو کہتا ہوں  
کہ تو اک آبلہ ہے، جس کو آخر پھوٹ جانا ہے  
غرض گردان ہوں بادِ صبح گاہی کی طرح لیکن  
سمر کی آرزو میں شب کا دامن تمامتا ہوں جب  
یہ لڑکا پوچھتا ہے: اختلالیمان تم ہی ہو؟

یہ لڑکا پوچھتا ہے جب، تو میں جھلا کے کہتا ہوں  
وہ آشنتہ مزان، اندوہ پور، اضطراب آسا  
جسے تم پوچھتے رہتے ہو، کب کا مر چکا ظالم  
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبیں کا  
اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں  
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں: وہ شعلہ مر چکا جس نے

کبھی چاہا تھا اک خاشاک عالم پھونک ڈالے گا  
 یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے:  
 یہ کلذب و افتراء ہے، جھوٹ ہے، دیکھو میں زندہ ہوں

(اخترا لايمان)

## سوالات

1. لڑکا جب شہری زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس میں کیا تبدیلی آجائی ہے؟
2. شہری لڑکا خدا کی کرن نعمتوں کا اعتراف کر رہا ہے؟
3. رزق کی تحصیل کی خاطر لڑکا کیا کیا کرتا ہے؟
4. اس نظم میں شاعر نے اپنی کس کلمکش کا اظہار کیا ہے؟

# امانت لکھنؤی

(1858—1815)

سید آغا حسن نام، امانت تخلص تھا۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ ان کے بزرگ، ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے جدا علی سید علی رضوی، مشہد مقدس میں حضرت امام رضا کے روپے کے نگراں تھے۔ ایک مرض کے نتیجے میں امانت لکھنؤی کی زبان بند ہو گئی۔ انھوں نے زیارت کی غرض سے عراق کا سفر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن امام حسنؑ کے روپے پر دعا مانگ رہے تھے کہ ان کی زبان، جو تقریباً دس برس سے بند تھی، خود بے خود کھل گئی، مگر لکنت باقی رہی۔

امانت لکھنؤی نے پدرہ برس کی عمر سے شعر گوئی کا آغاز کیا۔ ابتداء میں چند نوٹے اور سلام کہہ پھر غزل گوئی کی جانب متوجہ ہوئے۔ عراق کے سفر سے واپس آنے کے بعد مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ امانت کے بیٹے لاطافت نے ان کا کلام سمجھا کر کے ”خزانِ الفصاحت“ کے تاریخی نام سے شائع کیا۔

امانت لکھنؤی نے استسقا کے مرض میں بمتلا ہو کر چوالیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ آغا باقر کے امام باڑے کے قریب مسافر خانے میں دفن کیے گئے۔

فن موسیقی کی سر پرستی ہندوستان کے راجاؤں اور بادشاہوں کا معمول تھا۔ اودھ کے نوابوں نے بھی اس روایت کو قائم رکھا۔ اودھ کے آخری تاجدار واحد علی شاہ اپنے زمانے میں رقص و موسیقی کے سبب سے بڑے سر پرست تھے۔ ان کے دور میں ڈراما لکھنے اور اسے شاہی محفلوں میں دکھانے کا رواج بہت مقبول ہوا۔ انھیں محفلوں سے متاثر ہو کر سید آغا حسن امانت لکھنوی نے ’اندر سجا‘ کے نام سے ایک منظوم ڈراما لکھا۔

امانت کی ’اندر سجا‘ پہلا عوامی ڈراما ہے جسے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ جہاں کہیں اٹچ کیا جاتا تھا، تاشائی، دور دور سے بڑی تعداد میں اسے دیکھنے پہنچتے تھے۔ بہت سی پیشہ ور ناٹک منڈلیاں قائم ہو گئی تھیں جو دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں اجرت پر اندر سجا کا کھیل دکھاتی تھیں۔

اندر سجا کا کھیل بعض جزئیات میں قدیم ہندوستانی ناٹک سے بعض میں قدیم یونانی ڈرامے سے اور بعض میں انگلستان کے عہدِ الزیحت کے ڈرامے سے مشابہ ہے۔ قدیم ہندوستانی ڈرامے میں اٹچ پر صرف پچھلا پردہ پڑا رہتا تھا۔ اندر سجا میں بھی مقام کا تصویر پیدا کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ کسی کردار کا اپنا پارٹ ادا کر کے تمثایوں سے ڈرالگ ہٹ جانا اور دوسرے کردار کا سامنے آ کر اپنا کام کرنا میں بدل جانے کے برابر تھا۔ جب اس طرح خیالی طور پر میں بدل جاتا تھا تو وہی جگہ جو ابھی کچھ تھی اب کچھ اور بن جاتی تھی۔ مثلاً وہی جگہ جو ابھی اندر کی سجا تھی اب سبز پرپی کا باخ غ بن گئی۔

اس منظوم ڈرامے میں کل آٹھ کردار ہیں۔ یوں تو ہر کردار دلچسپ ہے لیکن راجہ اندر

اور سبز پری کے کرداروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وہ کردار ہیں جن کے سبب ڈرامے میں اشیش، حرکت، کشمکش اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

[تلویض مقدمہ: سید مسعود حسن رضوی ادیب]

امانت کی اندر سجنا اردو میں آپرا (Opera) کا اولین نمونہ ہے۔ اسے ہم مظوم ڈراما بھی کہہ سکتے ہیں جسے رقص و موسیقی کی مدد سے اشیش پر پیش کیا جاتا ہے۔ اردو میں اشیش ڈرامے کی روایت کے باقاعدہ آغاز سے پہلے اندر سجنا کی مقبولیت نے ایک پس منظر تیار کر دیا تھا۔ اندر سجنا کی روایت سے بعد کے ڈرامائگاروں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اردو میں آپرا کی روایت بذریعہ ترقی کرتی رہی، نئے پرانے بہت سے شاعروں نے آپرا باغنا یئے لکھے جن میں تمثیلوں اور تاریخی واقعات پر مبنی کھیل بھی اشیش کیے جاتے رہے ہیں۔

### آمد راجا اندر کی نیچ سمجھا کے

سمجا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے  
پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے  
خوشی ہے چیھبے لازم ہیں صورت بلبل  
اب اس چحن میں گل تر کی آمد آمد ہے  
فرود غ حسن سے آنکھوں کو اب کرو روشن  
زیں پہ مہر منور کی آمد آمد ہے  
ستاروں کی، مہ انور کی آمد آمد ہے  
زیں پہ آئیں گی راجہ کے ساتھ اب پریاں  
غصب کا گانا ہے اور ناج ہے قیامت کا  
بہار فتنہ محشر کی آمد آمد ہے  
جگر کی جان کی دلبر کی آمد آمد ہے  
پیان راجہ کی آمد کا کیا کروں استاد

### چوبولاً اپنے حصہ حال زبانی

راجہ ہوں میں قوم کا اور اندر میرا نام  
بن پریوں کی دید کے نہیں مجھے آرام  
سنورے میرے دیورے دل کو نہیں قرار  
جلدی میرے واسطے سجا کرو تیار

### آمد پکھراج پری کی نیچ سمجھا کے

محفل راجہ میں پکھراج پری آتی ہے  
سارے معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے  
اس کا سایہ نہ کبھی خواب میں دیکھا ہوگا  
آدمی زادوں میں وہ آج پری آتی ہے

### شعر خوانی اپنے حصہ حال زبانی پکھراج پری کی

گاتی ہوں میں اور ناج سدا کام ہے میرا  
آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا  
استاد کو دیتی ہوں دعائیں دل و جاں سے  
یہ کام جہاں میں سحر و شام ہے میرا

\* چوبولا: چار مصروعوں کا گیت

## غزل بستت کی زبانی پکھرائج پری کی فصل بہار میں

ہیں جلوہ تن سے در و دیوار بنتی  
پوشک جو پہنے ہے مرا یار بنتی  
کیا فصل بہاری نے شگونے ہیں کھلانے  
معشوق ہیں پھرتے سر بازار بنتی  
گیندا ہے کھلا باغ میں میدان میں سرسوں  
صرفا وہ بنتی ہے یہ گلزار بنتی

## درخواست نیلم پری کی زبانی راجا اندر کی

خوب رجھایا ناج کے گاکے پاس مرے اب بیٹھ تو آکے  
خوش ہوئی تجھ سے ساری محفل اب ہے نیلم پری کی باری  
لااؤ نیلم پری کو

## شعر خوانی حب حال اپنے زبانی نیلم پری کی

حوروں کے ہوش اڑتے ہیں اڑنے کی شان پر نیلم پری ہے نام مرا آسمان پر  
اللہ کے کرم سے زمانے میں ہے عروج بخکتا ہے سر فلک کا مرے آستان پر

## چھند زبانی نیلم پری کی نقچ سمجھا کے

میں چیری سرکار کی اور تم راجوں کے راج گانا مجھ معشوق کا سنو غور سے آج  
سنو غور سے آج مرا راجا جی گانا ناج کی چھل بل دیکھ کر دیکھو بتانا

## چھند زبانی نیلم پری کی نقچ سمجھا کے

آئی ہوں میں دور سے چیزیں کر کے یاد مجرما میرا دیکھ کر کرو مرا دل شاد  
کرو مرا دل شاد کہ میں جی کھول کے گاؤں گاکے ناج کے آج ہنر اپنا دکھلاؤں

### نقرے لال پری کی درخواست میں زبانی راجا اندر کی

وکھا چکی تو کرتب سارے پہلو میں اب بیٹھ ہمارے  
کیا سجا میں تو نے نام اب ہے لال پری کا کام  
لاؤ لال پری کو

### آمد لال پری کی بیچ سمجھا کے

سمجا میں لال پری کی سواری آتی ہے جمانے رنگ اب اندر کی پیاری آتی ہے  
شفق میں آئے گا ہمدرد نظر ستاروں کا پہن کے سرخ وہ پوشک پیاری آتی ہے

### شعر خوانی زبانی لال پری کی بیچ سمجھا کے

انسان کا کام حُسن پہ میرے تمام ہے جوڑا ہے سُرخ، لال پری میرا نام ہے  
یاقوت زرخیز ہے سرکار کا مری نوکر عقین لعل بدنشان غلام ہے

### چھند زبانی لال پری کی بیچ سمجھا کے

بیٹھی تھی میں قاف جو جوڑا پینے لال یہاں بلا کر آپ نے بڑھوایا اقبال  
بڑھا دیا اقبال کر یاں مجھ کو بلوایا سماں سمجھا کا آج بہت دن بعد دکھایا

### غزل ساون زبانی لال پری کی ساون کی فصل میں

دل کو مرغوب ہے جو ٹھنڈی ہوا ساون کی مانگتی ہوں میں سدا حق سے دعا ساون کی  
یاد آتا ہے وہ سبزہ وہ گھٹا ساون کی شکل دکھائے کہیں جلد خدا ساون کی

### آمد سبز پرپی کی بیچ سمجھا کے

لب سرخ ہیں پر سبز ہیں پوشک ہری ہے  
فیروزہ اسے دیکھ کے کھا جاتا ہے ہیرا  
چہرے میں زمزد سے سوا جلوہ گری ہے  
جن اُس سے نجلات کے سبب اڑنہیں سکتے  
پریوں کو سدا شرم سے بے بال و پری ہے  
زیور کی ہے کیا شان چھری رے سے بدنا پر  
اک شاخ ہے نازک کہ شگونوں سے بھری ہے

### چوبولا زبانی سبز پرپی کی

جاتی ہوں میں باغ میں یہاں مرا کیا کام  
راجا جی تو سو گئے دیا نہ کچھ انعام  
آتی تھی راجا کے گھر میں جو آج کی رات  
سن رے کالے دیورے تو مری ایک بات  
جبن اس کے دیکھ کر نکلی میری جان  
شہزادہ اک بام پر سوتا تھا نادان  
قلب میرا ہے یہاں وہاں ہے میری جان  
دل میرا لگتا نہیں محفل کے درمیان  
اس کو گر تو لا اٹھا جلدی جا کر یار  
لوئندی میں ہو جاؤں گی تری بے تکرار

### جواب کا لے دیو کا طرف سبز پرپی کے

تجھ سے کر سلتا نہیں ہرگز میں انکار  
گھر میں راجا کے ہے تو پریوں کی سردار  
تیری خاطر ہے مجھے سب سے یہاں سوا  
پتا بتا معشووق کا لاوں ابھی اٹھا

### جا گنا شہزادہ کا نیند سے اور کہنا گھبرا کر

سویا تھا میں کس جگہ آیا ہائے کہاں  
کوٹھا میرا کیا ہوا چھوٹا کدھر مکاں  
خواب یہ میں ہوں دیکھتا جاگ رہا ہوں یا  
نه وہ میرے لوگ ہیں نہ وہ میری جا

### کہنا سبز پری کا شہزادے کا ہاتھ قائم کے

دیکھو تم میری طرف گھر کا مت لو نام  
لوئڈی مجھ کو جان کر کرو یہاں آرام  
جو ہونا تھا سو ہوا جانے دو بس خیر  
چلو پھر و کھاؤ پیو کرو باغ کی سیر  
بتلاؤ اب حسب نسب اور تم اپنا نام  
رہتے ہو کس کام میں ہو گا کہاں قیام

### جواب شہزادہ گفquam کا

محلوں میں رہتا ہوں میں عیش ہے میرا کام  
شہزادہ ہوں ہند کا نام مرا گفquam

### چغلی کھانا لال دیو کارا جا اندر سے منشوی میں

مہاراج کو حق رکھے شاد کام  
نئی عرض ہے آج کرتا غلام  
میں کھاتا تھا اس دم چمن کی ہوا  
حقیقت وہ دیکھی کہ ہوش اڑ گیا  
شجر ہے پرانا جو شمشاد کا  
گزر وال ہے اک آدمی زاد کا  
نہیں کرتی اصلا مری عقل کام  
وہ انسان ہے یا کہ ماہ تمام  
اسی فکر میں کب سے ملتا ہوں ہاتھ  
اُسے کون لایا یہاں اپنے ساتھ

### پوچھنا راجا اندر کا لال دیو سے غصب ناک ہو کر

ارے دیو تو ہے یہ کیا بک رہا  
مرے باغ میں کام انساں کا کیا  
ہوا کس طرح یاں بشر کا گزر  
پرندوں کے دہشت سے جلتے ہیں پر  
قدم رکھ سکے جن کی کیا جان ہے  
فرشتوں کی یاں عقل جیران ہے  
کسی دیو سے آشنائی نہ ہو  
پری کوئی ساتھ اپنے لائی نہ ہو  
اسے کھینچ لا پاس میرے شتاب  
کہ غصے سے ہے حال میرا خراب

لانالال دیوکا گلفام کو ٹھیچ کرو برو راجا اندر کے اور عرض کرنا

حضوری میں حاضر ہے یہ شعلہ خو مہاراج صاحب نگہ رو برو  
بجا آپ کا حکم لایا غلام چن میں ٹھیچ کر کیا اپنا کام

پوچھنا راجا اندر کا گلفام سے سبب داخل ہونے کا پرستان میں

اڑے کون ہے تو ترا کیا ہے نام سمجھا تو نے کی میری بہم تمام  
تچھے لایا یاں کون اے بصفات بیان مجھ سے کر جلد یہ واردات

عرض کرنا گلفام کا راجا اندر سے عالم ہر اس میں ہاتھ جوڑ کر

کہوں کیا نلک کا ستایا ہوں میں یہاں کھیل کر جی پہ آیا ہوں میں

کہنا راجا اندر کا لال دیو سے واسطے قید گلفام کے اور نکلو انا سبز پری کو  
اکھڑے سے پر نوچ کر

اڑے دیو کر قصد بیداد کا	پکڑ ہاتھ اس آدمی زاد کا
کنوں وہ جو ہے قاف میں پُر خطر	ابھی اس میں جا کر اسے قید کر
پری سبز جو ہے یہ آگے کھڑی	خطا کی ہے اس بیسوں نے بڑی
سو تو نوچ کر اس کے پر اور بال	اکھڑے سے میرے ابھی دے نکال
اڑاتی پھرے خاک یہ کو بہ کو	نہ آئے ہمارے کبھی رو برو

### آنا سبز پرپی کا جو گن بن کے پرستان میں

جو گن آتی ہے پری بن کے پرستان کے بیچ  
سرمنیں ہاتھوں میں مُدرے ہیں پڑے کان کے بیچ  
سیلیاں ڈالے ہے گردن میں گربیان کے بیچ  
سرپہ اٹھدا ہے رکھے مخ پر مائے ہے بھجوت

حاضر کرنا کالے دیو کا جو گن کو سمجھا میں اور عرض کرنا راجا اندر سے

مہاراج کیجے ادھر اب نگاہ یہ جو گن ہے حاضر بحال تباہ  
ملا کس خرابی سے اس کا نشان ہوا میں پرستان میں ہر سو روائ

دیکھنا راجا اندر کا طرف جو گن کے اور دریافت کرنا حال جو گ کا

اری جو گن اے درد کی بتلا فقیروں کا کیوں بھیں تو نے کیا  
فدا کس پہ ہے کس پہ شیدا ہے تو کوئی آدمی ہے پری یا ہے تو

جواب جو گن کا درد آمیز طرف راجا اندر کے اور عرض حال کرنا

مہاراج پوچھو نہ جو گن کا حال فقیروں کا دل درد سے ہے نڈھاں  
مرا مجھ سے معشوق ہے چھٹ گیا مرا راج اس دلیں میں لٹ گیا

ٹھمری گانا جو گن کا سامنہ راجا اندر کے بیچ دھن بھیرویں کے

کہاں گیو گیاں شہزادہ جانی پیارا دل تڑپے رے ہمارا  
کہاں گیو

وا کا پتا کھوں لاگت ناہیں ڈھونڈھ پھری بن سارا  
کہاں گیو

### گلوری دینارا جا اندر کا جو گن کو محظوظ ہو کر اور جواب دینا جو گن کا نثر میں

پان لے کے کیا کروں، کسی سبزہ رنگ کا دھیان ہے۔ ہڈیاں چونا ہیں، بدن دھان پان ہے۔ عشق ابوبی پی کے رنگ لیا ہے۔ فرق نے قتل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ گلوری لیے مجھے کیا تھا ہے۔ فقیروں کا منہ کون کیل سکتا ہے۔

### ہار دینارا جا اندر کا جو گن کو پھر جواب دینا جو گن کا اور ہارنہ لینا

ہار زنبھار نہ لوں گی، دل کو خار ہے اپنا گل غدار گلے کا ہار ہو تو بھار ہے

### پھر غزل گانا جو گن کا تجھ دھن بھیروں کے

دل کو چین اک دم تے چرخ کہن ملتا نہیں وہ مرا گلفام وہ گل پیرہن ملتا نہیں کس طرح صرصرمے گل کواڑا کر لے گئی گشمن عالم میں وہ رشک چمن ملتا نہیں

رومال دینارا جا اندر کا جو گن کو خوش ہو کر پھر جواب دینا جو گن کا ذمہ معنی میں

رومال نھیں دتبجھ جو نگ دست ہیں۔ فتیرا پنی کملی میں مست ہیں۔ عشق کی گرمی نے مارا ہے۔ پشمیں سے کنارا ہے۔ راجا کے دور میں پلے سے آئی ہوں۔ جومانگوں سوپاؤں۔

### اقرار کرنا راجا اندر کا جو گن سے

ماںگ کیا مائتی ہے

### غزل گانا جو گن کا طلب گلفام میں

ہوتا ہے کوئی آن میں اب کام ہمارا انعام میں دتبجھ ہمیں گلفام ہمارا اب چاہ سے یوسف کو نکلواد ہمارے گھٹتا ہے اندر ہیرے میں دل آرام ہمارا

پہچاننا راجا اندر کا سبز پری کو اور طلب کرنا لال دیو کو واسطے خلاصی گفام کے

اے لال دیو اس طرف جلد آ بڑا مجھ کو جو گن نے دھوکا دیا  
بناؤٹ کی تھی ساری جادوگری نہیں آدمی سبز ہے یہ پری

ملنا گفام کا سبز پری کو اور گفت و شنید حال ایام فراق کی آپس میں سوال

### سبز پری کا

قہر تھا ہجر قیامت تھی جدائی تیری میرے خالق نے مجھے شکل دکھائی تیری

### جواب شہزادے کا

خاک ہے منھ پہلی بال ہیں سر کے بکھرے ہائے اس عشق نے کیا شکل بھائی تیری

### جواب سبز پری کا

مجھ پہ ہونا تھا جو کچھ ہو گیا اس کا نہیں غم ہو گئی قیدِ مصیبت سے رہائی تیری

### جواب شہزادے کا

تو مرے آگے نکالی تھی گئی نوج کے پر راجا تک پھر ہوئی کس طرح رسائی تیری

### جواب سبز پری کا

بن کے جو گن ہوئی اندر کی سجا میں داخل پھر یہاں چاہ مجھے کھینچ کے لائی تیری

### جواب شہزادے کا

کہہ کے راجا سے مجھے کس نے تجھے دلوایا      دشمن جا تھی میری جان جدائی تیری

### جواب سبز پری کا

ہے تمتا یہ مرے دل میں کہ اب حشر تک      فضل استاد سے دیکھوں نہ جدائی تیری

مبارک بادگنا سبز پری کا گلفام سے ہم بغلوں کے

عیش و عشرت کا سر انعام مبارک ہووے	شادی جلوہ گلفام مبارک ہووے
فرشِ رحمت پہ اب آرام مبارک ہووے	بعد مدت کے حسینوں کا نصیبا جاگا
ہم کو یہ سرو گل اندام مبارک ہووے	سر و قمری کو سزاوار ہو بلبل کو گل
غیر کو گردش ایام مبارک ہووے	تحنث پر ہم کو مبارک ہو جہاں میں پھرنا
اب زمانے میں ہمیں نام مبارک ہووے	ہو پچھے عشق میں بدنام بڑی مدت تک
گیسوؤں کا ہمیں اب دام مبارک ہووے	جعل سازوں کے نہ پھندے میں پھنسے طاہرِ دل
باغ کو گل ہمیں گلفام مبارک ہووے	حوریں جنت کو مبارک ہوں فلک کوتارے
یہ امانت سحر و شام مبارک ہووے	چھینے شہزادے کو اب راجانہ ہم سے استاد

---

(امانت لکھنوی)

## سوالات

- .1 اندر سمجھا میں ڈراموں سے مماثلت کے کیا پہلو نکلتے ہیں؟
- .2 آپیرا(Opera) کی تعریف کیا ہے اور اردو کا پہلا منظوم ڈrama کون سا ہے؟
- .3 راج کی محفل میں پکھراج پری کی آمد کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔
- .4 اندر سمجھا میں سبز پری کی آمد کا نقشہ کس طرح کھینچا گیا ہے؟
- .5 شہزادہ گلستان کو کیا سزا دی گئی اور کیوں؟

ہندوستان میں ایک ساتھ اتنی زبانوں کا چلن ہے کہ اسے زبانوں کی تجربہ گاہ کہا جاتا ہے۔ سنسکرت ہماری قدیم ترین زبانوں میں ہے۔ ہندوستانی زبانوں کے سیاق میں سنسکرت کو ”زبان کی ماں“ کہا گیا ہے۔ قدیم سنسکرت ادب کے بہت سے شاہکاروں کا ترجمہ ہندوستان کی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ اردو میں بھی سنسکرت سے ترجمے کیے گئے ہیں، کالی داس، امراء، بھرتی ہری، دامودر گپت کی تخلیقات کے ترجمے اردو میں خاصے معروف ہیں۔ بھرتی ہری کے عہد اور حالات زندگی سے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اجین کے راجا تھے لیکن دنیا کے حالات سے تنگ آ کر انہوں نے حکومت سے منھ موڑ لیا اور گیان دھیان کے ساتھ فکرخن میں مصروف ہو گئے۔ علم زبان پر بھی انہوں نے بہت کام کیا ہے۔ ان کا شمار سنسکرت کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے ایک شلوک کا اردو ترجمہ علامہ اقبال نے ”بال جریل“ میں کیا تھا۔

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر  
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اقبال کے جاوید نامہ میں بھرتی ہری پر دو نظمیں شامل ہیں۔ آشکھنوی نے بھرتی ہری کے پانچ شلوکوں کا ترجمہ اردو میں رنگ بنت کے نام سے کیا تھا۔ چودھری جے کرشن جیسیب، تلوک چند محروم، یوسف ناظم اور عبد الاستار دلوی نے بھی بھرتی ہری کے ترجمے کیے ہیں۔ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی بھرتی ہری کے کلام سے دل چھپی برقرار ہے۔ پتاپ گڑھ کے

معروف شاعر و ادیب امیاز الدین خاں نے بھرتی ہری کے شلوکوں کے منظوم ترجمے کیے ہیں، جو اترپلیش اردو اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ اگلے صفحہ میں نینی شنک کے کچھ منظوم ترجمے دیے جا رہے ہیں۔



کم علم تھا تو خود کو سمجھتا تھا دیدہ ور  
مفترور فیل مست کی صورت تھا بے بصر  
جب سے ہوں اہل علم کی صحبت سے فیض یاب  
اُترا بخار، جہل پہ اپنے ہے اب نظر



ہاتھی ہوا بد مست تو آگش مارا  
ڈنڈے سے کیا گھوڑے گدھے کو سیدھا  
ہر روگ کا مل جائے گا دنیا میں علاج  
دانستہ حماقت کی نہیں کوئی دوا



آجائے گا سنگار سے کیا روپ میں نکھار؟  
کیا پھول گوندھ لو تو چمک جائے زلف تار؟  
دنیا کی ہر نمود و نمائش کو ہے فنا  
ہوتی ہے بس زبانِ مہذب سدا بھار



علم کے زیور سے قائم آدمی کی شان ہے  
دولتِ مختوظ ہے، ہر عیش کا سامان ہے  
گیان، راجہ ہے، رشی ہے، دلیوتا، بھگوان ہے  
گیان سے محروم انسان واقعی حیوان ہے



بدتی کائنات میں کوئی جیے کوئی مرے  
وہ زندگی ہے زندگی جو غیر کا بھلا کرے  
جہاں بے ثبات میں اُسے ثبات ہے کہ جو  
سماج کے لیے جیے، سماج کے لیے مرے



ہے حق پستوں کا ہر دم شعار  
مصیبت سے لڑتے ہیں مردانہ وار  
کسی کا وہ احسان یتے نہیں  
نہ مانگیں کسی سے وہ ہرگز ادھار



جس کی توگری میں نہیں تملکت کا نام  
غمگین نہ کرسکے گا اُسے غم کا اٹھاہام  
گر بحث ہو تو بزم میں منطق سے سرخدا  
باطل سے جگ ہو تو ہے شمشیر بے نیام



تشدد، نہ حرص و ہوس سے ہو کام  
کرو بے کسوں کی مدد چھ و شام  
ہر اک فرد و ملت کے ہو خیر خواہ  
سبھی مذہبوں کا کرو احترام



حق پرستوں نے کبھی چھوڑی نہ حق کی رہ گزر  
دشمن باطل مصیبت میں رہے بیاک تر  
بے نوائی میں بھی ان کو یقین تھے لعل و گہر  
دھار پر تلوار کی چلتا رہا ان کا ہنر



اک بوند گر کے تپتے توے پر ہوئی فنا  
اک بوند جا کے سیپ میں موتی ہے بے بہا  
اک بوند سے ہے پھول کے چہرے پر آب و تاب  
صحبت جُدا جُدا تھی تو قسمت جُدا جُدا



دودھ سے پانی کی ہو جاتی ہے یاری پیاری  
آتی ہے پانی میں بھی دودھ کی رنگت ساری  
دودھ کھولا ہے تو پانی ہی جلا ہے پہلے  
یوں ہی اچھوں میں ہوا کرتی ہے اچھی یاری



فکر و گفتار ہو کہ ہو کردار  
خدمتِ خلق سے ہے ان کا وقار  
خوبیاں غیر کی بڑھا کے کہیں  
ایسے دنیا میں لوگ بین دو چار



ہمّت مردانہ ہے انسانِ علی کا شعار  
دو قدم چل کر جو ہمّت ہاردے، ہے بے وقار  
غم کے طوفان و حادث کی اُسے پروا نہیں  
کھینچ لاتا ہے وہ کشتی قلزمِ خونیں کے پار



تحسین کریں اہلِ نظر یا تقید  
انبار لگے زر کا کہ تنگی ہو شدید  
آتی ہو ابھی موت کہ صدیوں مل جائے  
ہر حال میں کرتے رہو حق کی تائید



الله کے ذکر سے نہ غافل ہونا  
ہر حال میں نیکیوں پہ عامل ہونا  
باطل سے گریزاں رہے اور حق کے قریب  
آسان اسے ہو جائے گا کامل ہونا

(بھرتی ہری، مترجم امتیاز الدین خاں)

## سوالات

- .1      اُترابخار، جہل پاپنے ہے اب نظر  
یہاں پر بخار اُتنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .2      دنیا میں کس روگ کی کوئی دونبیں ملتی؟
- .3      شاعر کے نزدیک کیا چیز سدا بہار ہے؟
- .4      سماج کے لیے ہے اور سماج کے لیے مرنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .5      شاعر نے حق پرستوں کی کیا خصوصیت بتائی ہیں۔ تفصیل سے لکھیے۔
- .6      توارکی دھار پر چلنے سے کیا مرداب ہے؟
- .7      بوند کے مختلف انجام کو شاعر نے کس طرح بیان کیا ہے؟
- .8      اچھوں میں اچھی یاری ہوتی ہے اس بات کو شاعر نے کس طرح سمجھایا ہے؟
- .9      خدمتِ خلق کا وقار کن باتوں سے قائم ہے؟
- .10     اعلیٰ انسان کا شعار کیا ہے؟
- .11     انسان کو کامل بنانے میں شاعر نے کیا مشورہ دیا ہے؟
- .12     عظمتِ کردار کے لیے کیا کیا ضروری ہے؟

جو نظمیں اکیلے یا کئی لوگوں کے ساتھ گانے کے لیے لکھی یا بنائی جائیں اور جن کی زبان سادہ ہو اور جن میں روزمرہ کی مقامی زندگی کا ذکر ہو انھیں گیت کہا جاتا ہے۔ گیت کے موضوعات بہت سے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے گیتوں کا تعلق موسوں، فصلوں اور مختلف رسماں سے ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے گیت بہت مقبول ہیں۔ زبان اور آہنگ کے اعتبار سے گیت میں دل کے تاروں کو چھو لینے والی کیفیت ہوتی ہے اور اس کے بول عام طور پر بہت سادہ ہوتے ہیں۔ گیت صرف لکھے اور پڑھے ہی نہیں جاتے رہے ہیں بلکہ وہ سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل بھی ہوتے رہے ہیں۔ گیت کی فضار و مان پرور ہوتی ہے اور گیت کی یہ ترجمگ ایسے تمام موضوعات میں برقرار رہتی ہے جن کا وہ احاطہ کرتا ہے۔ موسماں کے رنگ، پیار کی ترجمگ، زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں، الجھنیں اور معاشرے کے مختلف روپ، یہ تمام چیزیں مل کر گیت کی سترنگی دھننک بناتے ہیں۔ گیت شاید شاعری کی وہ واحد صنف ہے جس کو پڑھنے یا سمجھنے کے لیے لغت کی ضرورت کم سے کم پڑتی ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح اردو میں بھی ایسے بے شمار گیت ہیں جو زبانِ زدِ عام ہیں اور جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لکھنے والے کون تھے۔ تاہم ایک صرف شاعری کے طور پر اردو میں باقاعدہ گیت نگاری کی بھی ایک تاریخ رہی ہے۔ اردو کے گیت نگاروں میں عظمت اللہ خاں، حفیظ جالندھری، آغا حشر، بہزاد کھنوی، آرزو کھنوی، اختر شیرازی، شاد عارفی، احسان دانش، میرا بھی، مندوہ، سلام مچھلی شہری، راجہ مہدی علی خاں، مختار صدیقی، قنیل شفاقی، عبدالحمید عدم، جبیل الدین عالی، عمیق حنفی، ندا فاضلی اور زیر رضوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

## گیت

# محمد عظمت اللہ خاں

(1940—1887)

محمد عظمت اللہ خاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان دہلی کے ممتاز گھرانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ان کے نسبتی بزرگ شاہان مغلیہ کے خاص مقربین میں تھے۔ اس بنا پر انہیں ”خان“ کا خاندانی خطاب عطا ہوا تھا۔ وہ ایک ذہین اور ہونہار طالب علم تھے۔ فلسفہ، فنسیات اور سیاست ان کی دلچسپی کے خاص مضمون تھے۔ انھیں اردو کے ساتھ ساتھ، انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کی نشر دہلی کی تحریک اردو میں ہوتی تھی لیکن شاعری میں انھوں نے اپنی الگ ہی راہ نکالی۔ شاعری میں بھی گیت انھیں زیادہ پسند تھے۔ ان کی شاعری کی ایک خصوصیت اس کا سریلا پن ہے۔ انھوں نے اپنے گیتوں اور نظموں کے مجموعے کا نام بھی ”سریلے“ بول، ہی رکھا۔ دہلی کے زمانہ قیام میں انھوں نے باقاعدہ ہندی بھی سیکھی تھی اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کچھ دن سنسکرت کے ایک پنڈت کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا۔ اردو میں ہندی لفظوں اور بھروسہ کا استعمال عظمت اللہ خاں کے اثر سے مقبول ہوا۔ مولوی عبدالحق نے جنوری 1926 کے رسالہ ”اردو“ میں محمد عظمت اللہ خاں کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا ”محمد عظمت اللہ خاں نے اردو میں ایک نئی راہ نکالی ہے۔ ایک تو انھوں نے ہندی بھروسہ اختیار کی ہیں دوسرا ہندی الفاظ کا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے تیرے ہمارے معاشرے کی خوب تصور گھنٹی ہے۔“

# پیارا پیارا گھر اپنا

وہ چین کہاں اپنے گھر کا وہ بات کہاں اپنے گھر کی  
وہ راج کہاں اپنے گھر کا وہ رات کہاں اپنے گھر کی

سکھ چین اگر دنیا میں ہے اپنے ہی گھر میں ملتا ہے  
دکھ درد کی گر کوئی دوا ہے اپنے ہی گھر کی سیوا ہے

وہ گھر والی سندر چڑا گھر کی سیوا کرنے والی  
آرام ہمیں دینے والی آپ مصیبت بھرنے والی

آنکھوں کے تارے لاڈلے گھر کے سب مل کر گھر سر پاٹھتے  
ہنستے ہنساتے روٹختے منتے منتے کہانی سوتے سلاتے

ہم پر جان چھڑکنے والا وہ پروان چڑھانے والا  
وہ بلوان بنانے والا وہ انسان بنانے والا

جڑ بنیاد وطن کی گھر ہے وطن گھروں کا اپنے گھر ہے  
اپنے گھر پر نثار وطن ہے اور وطن کے صدقے گھر ہے

پیارا پیارا گھر اپنا

27

وطن کی چاہت اپنے گھر سے وطن کی طاقت اپنے گھر سے  
وطن کی دولت اپنے گھر سے وطن کی عزّت اپنے گھر سے

(محمد عظمت اللہ خاں)

## سوالات

- |  |   |
|--|---|
| <p>اپنے ہی گھر کی سیوا کو دکھ درد کی دوا کیوں کہا گیا ہے؟</p> <p>گھر دل کا دلاسا اور جان سے پیارا ہوتا ہے۔ اس بات کے لیے شاعر نے کیا دلیل دی ہے؟</p> <p>گھر سر پاٹھانے کا کیا مطلب ہے؟</p> <p>وطن کی چاہت اور عزت اپنے گھر سے کیوں ہے؟</p> | <p>.1.</p> <p>.2.</p> <p>.3.</p> <p>.4.</p> |
|--|---|

# اسمعیل میرٹھی

(1917 تا 1844)

محمد اسماعیل نام، اسماعیل تخلص تھا، میرٹھی میں پیدا ہوئے۔ اس دور کے رواج کے مطابق انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر مکمل کی۔ میرٹھ کے ایک عالم، رجیم بیگ سے فارسی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کر کے انجینئرنگ کا کورس پاس کیا۔ قوم کے بچوں کی تعلیم میں دلچسپی کی وجہ سے انھوں نے معنی کا پیشہ اختیار کیا۔ اپنے عہد کے اہم شاعروں مثلاً حالی اوڑھلی کی طرح مولوی اسماعیل میرٹھی نے بھی اپنی شاعری کو بڑوں اور بچوں دونوں کے لیے تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنایا اور درست کتابیں بھی لکھیں۔ انھوں نے سادہ اور سلیس زبان میں اردو سکھانے کے ساتھ ان کتابوں میں اخلاقی موضوعات کو اس خوبی سے شامل کیا کہ پڑھنے والے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ ہو سکیں۔ اسماعیل میرٹھی نے ایسی کئی نظمیں لکھی ہیں جو صرف بچوں کے لیے ہیں اور ہر عہد میں ان کی معنویت اور افادیت برقرار رہی ہے۔ اسماعیل میرٹھی کا کلام ”کلیاتِ اسماعیل“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

# آبِ زُلال

دکھاڑ کچھ طبیعت کی روانی جو دانا ہو تو سمجھو کیا ہے پانی  
یہ مل کر دو ہواں سے بنا ہے گرہ گھل جائے تو فوراً ہوا ہے  
نظر ڈھونڈے مگر کچھ بھی نہ پائے زبان چکھے مزہ ہرگز نہ آئے  
ہواں میں لگایا خوب پھندا انوکھا ہے تری قدرت کا دھندا  
نہیں مشکل اگر تیری رضا ہو ہوا پانی ہو اور پانی ہوا ہو  
مزاج اُس کو دیا ہے نرم کیسا جگہ جیسی ملے بن جائے ویسا  
نہیں کرتا جگہ کی کچھ شکایت طبیعت میں رسائی ہے نہایت  
نہیں کرتا کسی برتن سے کھٹ پٹ ہر اک سانچے میں ڈھل جاتا ہے جھٹ پٹ  
نہ ہو صدمے سے ہرگز رینہ ریزہ نہ اُس کو تیر سے تلوار سے خوف  
تواضع سے سدا پستی میں بہنا جفا سہنا مگر ہموار رہنا  
نہیں ہے سرکشی سے کچھ سردار نہ دیکھو گے کبھی تم اُس کا انبار  
خزانہ گر بلندی پر نہ ہوتا تو فوارے سے وہ باہر نہ ہوتا  
جو ہلاک ہو اُسے سر پر اٹھائے نہ جلتا ہے نہ گلتا ہے نہ سرتا  
برما پانی نہیں ہرگز بگزتا کسی عنوان سے ہوگا نہ نابود وہی پانی کا پانی دودھ کا دودھ

پڑے سردی تو بن جاتا ہے پتھر  
 کبھی اوپر سے بادل بن کے بر سے  
 کبھی اولاً کبھی پالاً کبھی اوس  
 کئی صیغوں میں ہے ایک اصل کی صرف  
 اُسی کی چاہ سے کھیت ہری ہے  
 ہر اک ٹہنی میں ہر بوٹی جڑی میں  
 غذا ہے جڑ سے کونپل تک چڑھائی  
 اُسی کے سر پہ ہے پھولوں کا سہرا  
 اُسی سے تازہ دم میں سارے حیوان  
 یہی تخلیق میں کرتا مد ہے  
 تجارت کا کیا ہے پار بیڑا  
 صناعت کے بھی اوزاروں کا حامی  
 کہیں جنا کہیں گنا کہیں نیل  
 نہ میداں تھا نہ پربت تھا نہ بن تھا  
 نہ تھا کچھ فرق جل میں اور تھل میں  
 اُسی کا دور دور تھا زمیں پر  
 جو آب دیکھو تو وہ پانی کہاں ہے  
 ہر اک حالت ہے چڑھتی اور ڈھلتی  
 سبھی کو ہے بُڑھاپا اور جوانی  
 اُسے خشکی نے پستی میں دھکیلا  
 چھپائے مال کو جس طرح کنجوں

لگے گری تو اُڑ جائے ہوا پر  
 ہوا میں مل کے غائب ہو نظر سے  
 ہوا پر چڑھ کے پنچ سیکروں کوں  
 گھر ہے بھاپ ہے پانی ہے یا برف  
 اُسی کے دم سے دنیا میں تری ہے  
 پھلوں میں پھول میں ہر پنکھڑی میں  
 ہر اک ریشے میں ہے اُس کی رسائی  
 پھلوں کا ہے اُسی سے تازہ چہرہ  
 اُسی کو پی کے جیتے ہیں سب انسان  
 یہی معدے کو پہنچاتا رسد ہے  
 عمارت کا بسایا اُس نے کھیرا  
 زراعت اس کی موروثی اسمائی  
 کہیں ساگر کہیں کھاڑی کہیں جھیل  
 یہی پہلے زمیں پر موج زن تھا  
 زمیں پوشیدہ تھی اُس کے بغل میں  
 نہ بستی تھی نہ ٹاپٹھا کہیں پر  
 مگر دنیا میں یکسانی کہاں ہے  
 یہاں ہر چیز ہے کروٹ بدلتی  
 کوئی شے ہو، ہوا ہو یا ہو پانی  
 رہا باقی نہ وہ پانی کا ریلا  
 زمیں آہستہ آہستہ گئی چوں

تری کا جب کہ دامن ہو گیا چاک تو خشکی نے اڑائی جایہ جا خاک  
پہاڑ اُبھرے ہوئے میدان پیدا ہوئے میداں میں نخلستان پیدا  
تری کا گو ابھی پلہ ہے بھاری اڑائی ہے مگر دونوں میں جاری کیا کرتے ہیں دونوں کاٹ اور چھانٹ  
چلی جاتی ہے باہم لاگ اور ڈانٹ کبھی خشکی بھی ہے کایا پلٹتی  
تری ہر دم چلی جاتی ہے اُتی تو خشکی ایک چوتھائی میں ہے آج  
تری کا تین چوتھائی میں ہے راج نہیں چلتی تری کی سینہ زوری  
پہن رکھا تھا جب آبی لبادہ مٹاپا بھی زمیں کا تھا زیادہ  
مگر اب دن بہ دن چڑھتی ہے خشکی تری گھٹتی ہے اور بڑھتی ہے خشکی کمی بیشی نہیں آتی نظر کچھ  
بہت عمروں میں ہوتا ہے اثر کچھ

(سمیعیل میرٹھی)

## سوالات

- .1 پانی کے سدا پستی میں بہنے کی شاعرنے کیا وجہ بیان کی ہے؟
- .2 پانی کے پھر بن جانے سے کیا مراد ہے؟
- .3 جب کہیں بستی اور ٹانپنیں تھے تو زمین پر کس کا دور دورہ تھا؟
- .4 زمین کے تین چوتھائی تھے میں کس کا راج ہے؟
- .5 شاعرنے "آبِ زلال" کی کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟

# میرا جی

(1949 — 1912)

میرا جی کا اصلی نام محمد ثناء اللہ دار تھا۔ وہ ایک شعیری خاندان میں گوجرانوالہ (اب پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کا زیادہ وقت لاہور، دہلی اور ممبئی میں گزر۔ ممبئی میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ وہ انتہائی ذہین انسان تھے۔ مطالعے کا خیس بہت شوق تھا، اس لیے انھوں نے مختلف زبانوں کی شاعری کا مطالعہ کیا، تراجم کیے اور مضمایں لکھے۔ وہ لاہور کی ایک مشہور ادبی انجمن 'حلقة اربابِ ذوق' کے بانیوں میں تھے، جس نے بہت سے ذہنوں کو متاثر کیا اور شاعری میں جدید روحانات کو فروغ دیا۔ انھوں نے اختر الایمان کے ساتھ مکمل کر رسالہ 'خیال'، نکلا جس کے چند ہی شمارے شائع ہو سکے۔ میرا جی کی نظموں کے کئی مجموعے مثلاً 'میرا جی کی نظمیں'، اور 'گیتوں کا مجموعہ' گیت ہی گیت، ان کی زندگی میں شائع ہوئے۔ ایک مجموعہ پابند نظمیں، اور انتخاب 'تین رنگ' بعد میں شائع ہوئے۔ بہت بعد میں پاکستان سے 'کلیات میرا جی' (مرتبہ جمیل جالبی) اور 'باقیات میرا جی' (مرتبہ شیما مجید) شائع ہوئے۔ نشر میں دو کتابیں 'مشرق و مغرب کے نغمے' اور 'اس نظم میں' معروف ہیں۔

جدید تنقید میں بھی میرا جی کا نام بہت بلند ہے۔ انھوں نے نظم کا تجزیہ لکھنے کی ایک نئی رسم کو فروغ دیا۔ ہندوستان اور یورپ کے نئے پرانے شاعروں پر بہت اچھے مضمایں لکھے۔ میرا جی کی بہت سی شاعری میں جنی خیالات اور تجربات پیش کیے گئے ہیں۔

## اک بستی جانی پہچانی.....

اک بستی جانی پہچانی، یہ دھن تو ہے بہت پرانی  
 دل میں ہے دھیان ہمارے  
 نیلے منڈل کے تارے  
 اور چند رجوت کے دھارے  
 سب گائیں میٹھی بانی  
 اک بستی جانی پہچانی، یہ دھن تو ہے بہت پرانی  
 دل کو ہے رس کا بندھن  
 اس اجلی رات کا جوبین  
 آکاش کا اونچا آنگن  
 ظاہر میں ہے لافانی  
 اک بستی جانی پہچانی، یہ دھن تو ہے بہت پرانی  
 تو آئی میں بھی آیا،  
 دونوں نے قول نبھایا،  
 لیکن ہر بات ہے مایا،  
 جگ کی ہربات ہے فانی،  
 سب فانی، فانی—فانی— یہ دھن بھی ہے بہت پرانی  
 (میراجی)

اک بُتی جانی پچانی.....

37

## سوالات

- .1 جانی پچانی بُتی سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .2 ظاہر میں ہے لافانی، اس مصرع میں شاعر کا اشارہ کس طرف ہے؟
- .3 گیت کے آخری تین مصرعون میں شاعر نے کیا کہا ہے؟

## جیون ایک مداری پیارے.....

جیون ایک مداری پیارے کھول رکھی ہے پاری  
 کبھی تو دکھ کا ناگ نکالے پل میں اسے چھپا لے  
 کبھی ہنسائے کبھی رلائے بین بجا کر سب کو رجھائے  
 اس کی ریت انوکھی، نیاری، جیون ایک مداری

کبھی نراشا کبھی ہے آشا پل پل نیا تماشا  
 کبھی کہے ہر کام بنے گا جگ میں تیرا نام بنے گا  
 بنے ڈیلو ہتھیاچاری، جیون ایک مداری

جب چاہے دے جائے دھوکا اس کو کس نے روکا  
 تو بھی بیٹھ کے دیکھ تماشا، کبھی نراشا کبھی ہے آشا  
 پت جھٹر میں بھی کھلی چھلواری، جیون ایک مداری

آئے ہنسی مٹ جائے آنسو اس میں ایسا جادو  
 بندر ناچے قلندر ناچے سب کے من کا مندر ناچے  
 جھوم کے ناچے ہر سنساری، جیون ایک مداری  
 (میراجی)

جیون ایک مداری پیارے.....

39

## سوالات

- .1 اس گیت میں شاعر زندگی کو کس چیز سے تعبیر کر رہا ہے؟
- .2 شاعر نے اس گیت میں جیون کے کون کون سے روپ بیان کیے ہیں؟
- .3 اس گیت میں شاعر نے کون کون سی متفاہ کیفیتوں کا ذکر کیا ہے؟
- .4 تیسرے بند میں شاعر نے آشا اور نراشا کی مثال کس سے دی ہے؟

# یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ

یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ  
اندھیارے میں جا گا اجلا  
سکھ کی کرن ہے دکھ کا بھالا  
یوں ہی سا گر لہرائے گا

من گائے گا

یوں ہی نا چلے گی مورکھ

بھاؤ کئی بیں رنگ آکھرا  
انت پہل کا ناتا گھرا  
پل پل جیون بڑھتا جائے

من سمجھائے

سن لے بات بھلے کی مورکھ

پوری ہو گی من کی آشنا  
کیوں یہ چتنا کیوں یہ نزا شا  
ہری بھری کب ہو گی کیا ری

یہ چلواری

پھولے گی نہ چلے گی مورکھ

یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ

سوچ سمجھ یہ بات گیان کی  
لہریں لاکھوں ایک ہی دھیان کی  
ایک ہی مورت نئے رنگ سے

نئے ڈھنک سے

دھیرے دھیرے ڈھلے گی، مورکھ

(میراجی)

## سوالات

1. اندھیرے میں اجلا اور سکھ کے ساتھ ڈکھ کا ذکر کر کے شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟
2. من کی آشناپوری ہونے کے بارے میں شاعر نے کس طرح امید دلائی ہے؟
3. 'مورکھ' کے کہا گیا ہے؟

## تہنا، سب سے دور، اکیلی

تہنا ، سب سے دور، اکیلی  
ڈکھیا دل لے کر ہے بیٹھی  
.....  
راوھا

بات نہیں سنتی وہ کسی کی  
اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی  
.....  
راوھا

سوریہ کے گھونگٹ بادل کالے  
ہر دم بس ان کو ہی دیکھے  
.....  
راوھا

میں ہوں پچارن جو گیا پہلے  
”بھوگ نہیں ہے“ بس یہ bole  
.....  
راوھا

لو وہ اس نے جوڑا کھولا کاندھوں پر گیسو لٹکائے  
جب کالے بالوں کو دیکھا دل میں دھیان کسی کا لائے  
اب دیکھے آکاش کو راوا اور اس نے بازو پھیلائے  
.....  
راوھا

کس نے سنی ہے بات ادھوری      ایک پہلی کون بجھائے؟  
 مور کی گردن نیلی کالی      دیر تک وہ دیکھتی جائے  
 آؤ اس کا بھید بتائیں  
 آؤ پہلی ہم ہی بجھائیں  
 ہم نے ان باتوں سے جانا دھیان لیے ہے شام سندر کا  
 ..... رادھا.....

(چنڈی داس، ترجمہ میراجی)

## سوالات

1. رادھا اپنی سوچوں میں ڈوب کر کیا دیکھ رہی ہے؟
2. کا لے بالوں کو دیکھ کر رادھا کو کس کا دھیان آیا؟
3. کن باتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ رادھا کے دھیان میں شیام سندر ہے؟

# نظیرا کبر آبادی

(1830 تا 1740)

ولی محمد نام، نظیر تخلص تھا۔ دل میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں آگرہ چلے گئے۔ وہاں معلقی کے فرائض انجام دیے اور ساری عمر آگرے میں گزار دی۔ نظیر نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن وہ نظم گوشاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نظیرا کبر آبادی کا مشاہدہ وسیع تھا۔ انہوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ہندوستان کے رسم و رواج، میلیوں ٹھیلوں، تفریحات و مشاغل پر جتنی نظمیں نظیر نے کہی ہیں، شاید کسی اور شاعر نے نہیں کہیں۔ نظیر کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ اُن کی زبان انتہائی صاف، سہل اور سادہ ہے اور وہ اُردو کے عوامی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

# آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مغلس گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
زردار و بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
کلکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے ممکن بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے  
کیا کیا کر شے کشف و کرامات کے کیے تھی کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے  
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعوئی خدائی کا شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا  
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملاء یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا  
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور  
کل آدمی کا حسن و فتح میں ہے یاں ظہور شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکروہ و رُور  
اور ہادی و رہنمای ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بننے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خوان  
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں  
جو اُن کو تاثرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی اور آدمی کو تھن سے مارے ہے آدمی  
 پکڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی  
 اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال  
 یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال  
 اور جھوٹھ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ  
 تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلین جلا کے واہ  
 اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار  
 حشہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار کاندھے پر رکھ کے پاکی ہیں آدمی کہار  
 اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا کہتا ہے کوئی لوکوئی کہتا ہے لا رے لا  
 اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا کس کس طرح سے پیچیں ہیں چیزیں بنا بنا  
 اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا  
 کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توں گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا  
 بد شکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں روپے کے ان کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں  
 جھمکے تمام غرب سے لے تاہ شرق ہیں کنخواب، تاش، شال، دوشالوں میں غرق ہیں  
 اور چیختروں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار      نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پر کرسوار  
 کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار      سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار  
 اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی  
 اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر      ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر  
 یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر      اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر  
 اور سب میں جو رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

### (نظیراً کبرآبادی)

### سوالات

- .1 اس نظم کا ہر بند پانچ مصروفیں پر مشتمل ہے، ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں؟
- .2 اس نظم میں آدمی کے جتنے روپ بیان کیے گئے ہیں ان میں سے دو دو ایسے روپ بیان کیجیے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔
- .3 نظم میں کن لوگوں کے خدائی کا دعویٰ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے؟ نام لکھیے۔
- .4 شیطان کا شیطان فرشتے کا فرشتہ  
 انسان کی یہ بوجھی یاد رہے گی  
 یگانہ کے اس شعر کو سامنے رکھتے ہوئے آدمی نامہ پر منتظر نوٹ لکھیے۔

## روٹیاں

روٹی سے جس کا نک تک پیٹ ہے بھرا کرتا پھرے ہے کیا وہ اچھل کو د جا جا  
دیوار چاند کر کوئی کوچھ اچھل گیا ٹھنڈھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا  
سو سو طرح کی دھوم چاتی ہیں روٹیاں  
جس جا پہ ہاتھی چولھا تو اور تور ہے خالق کی قدر توں کا اُسی جا ظہور ہے  
چولھے کے آگے آگ جو جلتی حضور ہے جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے  
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں  
اوے توے تور کا جس جا زباں پہ نام یا چکنی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام  
یاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے میں مقام  
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں  
ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھمن چھن گرے ہے نور  
پڑا ہر ایک اس کا ہے برفی دموتی چور ہر گز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تور  
اس آگ کو مگر یہ بھاتی ہیں روٹیاں  
پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے یہ مہر ماہ حق نے بنائے ہیں کا ہے کے  
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج میں جانتے  
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں  
پھر پوچھا اس نے کہیے یہ ہے دل کا نور کیا اُس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا  
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا  
جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روُٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو  
میلے کی سیر، خواہشِ باغ و چمن نہ ہو  
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو  
جس ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

اللہ کی بھی یادِ دلاتی ہیں روٹیاں  
کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے  
لبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے  
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے  
سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے  
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور بکوئی ہے نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے  
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے  
نوکرِ نفرِ غلامِ بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر رکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہدو شیر  
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر گیہوں کی جوار باجرے کی جسمی ہو نظیر  
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

(نظیراً کبرآبادی)

## سوالات

1. روٹی کے تعلق سے نظم کا پہلا بند دوسرے تمام بندوں سے مختلف ہے، کیوں؟  
جواب دیجیے۔
2. نظم کے آخری بند پر چند جملوں میں روشنی ڈالیے۔
3. انسان کی زندگی میں روٹی کیسے کیسے تماشے دکھاتی ہے؟ اس موضوع پر مختصر نوٹ لکھیے۔

# سلام مچھلی شہری

(1973 — 1921)

قصبہ مچھلی شہر، ضلع جون پور، اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ آزمائشوں سے بھری ہوئی زندگی گزاری۔ الہ آباد یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک معمولی سی ملازمت سے عملی زندگی شروع کی۔ بعد میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے اور دلی کوپنا گھر بنالیا۔ آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس سے بہ حیثیت پروڈیوسر وابستہ تھے۔ ان کی طبیعت میں ایک خاص طرح کی وارثگی تھی۔ اپنی رومانی نظموں میں انہوں نے جدت طرازی کی بہت اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔ گفتگو کے انداز اور ڈرامائی عناصر کے برجستہ استعمال سے انہوں نے اپنی بعض نظموں کو افسانے کی طرح دل چسپ بنا دیا ہے۔ ان کے تخلیقی مزاج میں اتنی بہت تھی۔ انہوں نے شعری اظہار کے نت نئے راستے نکالے اور نظم میں بیت کے کئی تجربے کیے۔ نئی نظم کے اچھے شاعروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ”میرے نخے، پائل اور سعین، ان کے مقبول مشہور مجموعے ہیں۔ سلام مچھلی شہری کے گیت بھی بہت خوبصورت ہیں۔“

سلام مچھلی شہری کو حکومت ہند نے ان کی ادبی و شعری خدمات کے اعتراض میں ”پدم شری“ کے اعزاز سے نوازا۔ ان کا انتقال دلی میں ہوا اور وہ بیکھیں مدفون ہیں۔

# گیتوں کے ہروا گوندھوں گی

گیتوں کے ہروا گوندھوں گی  
ہاں سندر کول گیتوں کے

کچھ نازک کلیاں لاوں گی  
اور ان تاروں کو بلاوں گی  
اوشا کے گلابی ڈورے میں  
آشاكے پھول پروؤں گی  
گیتوں کے ہروا گوندھوں گی

ہاں سندر کول گیتوں کے  
سنتی ہوں سماجن آئے ہیں

جبات مرے تھرائے ہیں  
ان پریم کی نازک لہروں پر  
میں اپنی بیا چھوڑوں گی  
گیتوں کے ہروا گوندھوں گی

ہاں سندر کول گیتوں کے

(سلام مجھلی شہری)

گیتوں کے ہر دا گونڈھوں گی

### سوالات

- .1     ”آشاكے پھول پروئیں گی“ کا کیا مطلب ہے؟
- .2     ساجن کے آنے پر شاعر نے عورت کی کیا کیفیت بیان کی ہے؟

# شاد عارفی

(1964 — 1900)

شاد عارفی کاظم رام پور (بیوپی) تھا۔ ان کا پہلا مجموعہ ”سماج“ 1946 میں شائع ہوا۔ کچھ اپنی افناوج کے باعث، کچھ حالات کی خرابی کے نتیجے میں، شاد عارفی نے شاعری کا جو اسلوب اختیار کیا اس میں تکھے پن، طفرہ اور تختی کے عناصر بہت نمایاں ہیں۔ رام پور کی معاشرتی زندگی میں جا گیر دارانہ قدر روں اور روایتوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔ شاد عارفی نے اپنے محول اور گرد و پیش کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اپنی کئی نظموں میں انہوں نے سامنی اور جا گیر دارانہ اندازِ زندگی کا مذاق اڑایا ہے۔ غربت کی زندگی اور ناقدری کے احساس نے ان کے مزاج کی کڑواہٹ میں مزید اضافہ کیا۔ یوں بھی شاد عارفی ایک کھلا ذہن رکھنے والے صاف گو انسان تھے۔ اشعار میں بھی کھری کھری باتیں کی ہیں۔ امیروں اور رئیسوں کی زندگی کو طفرہ اور تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کی ایک نظم ”ابھی جبل پور جل رہا ہے“ جبل پور، مدھیہ پردیش کے فرقہ وارانہ فسادات پر بہت مشہور ہوئی۔

غزل میں ان کا رنگ یگانہ سے مماثل ہے۔ اس میں شکنگنگی اور لطافت سے زیادہ کھردار اپنے، بے تکلفی اور طفرہ نمایاں ہیں۔ لیکن اپنے کھرے پن، ناہمواری اور نثریت کے باعث شاد کی غزل ایک نئے جمالیاتی ذاتتے کا پتہ دیتی ہے۔ نئی غزل کے اولین نشانات جن شاعروں کے یہاں ملتے ہیں، ان میں شاد کا نام بھی شامل ہے۔ زندگی سے ان کا رشتہ ہمیشہ حریفانہ رہا۔ زندگی کی طرح ان کی شاعری میں بھی مزاحمت کا عنصر بہت واضح ہے۔ ان کے مجموعے ”شوخی تحریر“ اور ”سفینہ چاہیے“، جدید نظم و غزل کے نمائندہ مجموعوں میں شامل ہیں۔

## رُخصت ہوئی سیہلی

رخصت ہوئی سیہلی  
سنسان ہے اڑیا  
ویران ہے حولی  
رخصت ہوئی سیہلی



جھولا پڑا ہے سونا  
غم ہوگیا ہے دُونا  
جائی ہے آج گھر سے  
بچپن کی ساتھ کھیلی  
رخصت ہوئی سیہلی



گیندے پ ہے اداں  
جوئی پڑی ہے پیاسی  
حسرت سے دیکھتی ہے  
چکلی کھڑی چنیلی  
رخصت ہوئی سیہلی



پنچھی ہے بے ٹھکانہ  
 ڈالے گا کون دانہ  
 طوطا ہے دل شکستہ  
 بینا ہوئی اکیلی  
 رخصت ہوئی سہیلی



اے دل تری دہائی  
 ہوتی ہے وہ پارائی  
 ممتاز نے جس کی خاطر  
 پتا ہزار جھیلی  
 رخصت ہوئی سہیلی



مال باپ کی دلاری  
 دہن بنی ہے پیاری  
 اللہ راس لائے  
 مہندی روپی ہتھیلی  
 رخصت ہوئی سہیلی



کیا خوب یہ گھڑی ہے  
 ہر آنکھ روپی ہے  
 تو نے تو اے دُلہنیا

سکھیوں کی جان لے لی  
رخصت ہوئی سیلی

(شاد عارفی)

## سوالات

- .1 گیت کا عنوان کس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟
- .2 سیلی کے رخصت ہونے سے گھر اور ماحول پر کیا کیفیت طاری ہے؟
- .3 اللہ راس لائے  
مہندی روپی ہتھیلی  
ان دونوں مصراعوں میں شاعر، دہن کو کیا دعا دے رہا ہے؟
- .4 کیا خوب یہ گھڑی ہے  
ہر آنکھ روپڑی ہے  
یہاں پر رونے کے ساتھ ”خوب“ کا لفظ کس صورتِ حال کی عطا سی کر رہا ہے؟

## شاہنامہ اسلام

حفیظ جالندھری اردو کے معروف نظم گو شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا بہت نمایاں وصف اس کی غنائیت ہے۔ انہوں نے نظموں اور غزاووں کے علاوہ گیت بھی بڑی تعداد میں لکھے ہیں۔ ان گیتوں میں غنائیت اور موسیقی کا عضر انھیں انتہائی پرکشش اور موثر بنادیتا ہے۔

حفیظ جالندھری کا شاہنامہ اسلام اردو کی سب سے طویل اور مقبول نظموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا موازنہ فردوسی کے شاہنامے سے تو نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شاہنامہ فردوسی رزمیہ شاعری کا شاہکار ہے۔ حفیظ جالندھری نے اس میں اسلام کی تاریخ بیان کی ہے۔ نظم کا بیشتر حصہ بیانیہ ہے اور واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔ کچھ حصوں میں جذبات نگاری کی بھی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔

یہاں شاہنامہ اسلام کی دوسری جلد کا ایک نمائندہ اقتباس دیا جا رہا ہے۔ اس میں حفیظ جالندھری نے صحرائی زبان سے ایک تشنہ لب قافلے کے استقبال یا خیر مقدم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ واقعہ نگاری اور بیانیہ انداز کے ساتھ ساتھ ان اشعار میں جذبے کا بہت لطیف اظہار بھی ملتا ہے۔

## حفیظ جالندھری

(1982 — 1900)

عبدالحفیظ نام اور حفیظ تخلص تھا۔ پنجاب کے ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ وہ مولانا گرامی کے شاگرد تھے اور فارسی و اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ حفیظ جالندھری نے کئی اہم جریدوں اور سالوں کی ادارت کی۔ 1938ء میں انہوں نے یوروپ کا سفر کیا اور وہاں قیام کے دوران ”افرنگ کی دنیا“ اور ”اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے“، مشہور نظمیں کہیں۔ چھوٹی بھروسے اور سادہ لکھنؤں میں گیت اور نظمیں لکھنا حفیظ کا خاص انداز ہے۔

حفیظ جالندھری کا شمار اردو کے معروف شاعروں میں ہوتا ہے۔ ”نغمہ زار“، ”سوز و ساز“ اور ”لٹاپ شیریں“ ان کے کلام کے اہم مجموعے ہیں۔

”حفیظ کا شاہکار“ شاہنامہ اسلام ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ”شاہنامہ اسلام“ بیانیہ شاعری کی اچھی مثال ہے۔

## صحرا کی دعا

یہ تشنہ اب جماعت جب یہاں پر رک گئی آکر دعا کی دامنِ صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہ اے صحرا کو آتش ناک چہرہ بخشنے والے ریخ خور شید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں بختار ہوں میں صدائے رعد و باراں دُور سے سنتا رہوں میں ہوا ہوں جب سے پیدا، جان پانی کو ترسنی ہے مرے سینے کے اوپر آگ کی بدملی برستی ہے میں سمجھا تھا مقدار ہو چکی ہے دھوپ کی سختی مری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوتھہ بختی بنایا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مراج اپنا لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا خبر کیا تھی الہی ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تیرا ساقی کوثر یہاں تشریف لائے گا اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی مرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آکے ٹھہریں گے شہید آرام فرمائیں گے، نازی آکے ٹھہریں گے خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو بنایا جائے گا فرش عبادت میرے دامن کو خبر ہوتی تو میں شبتم کے قطرے جمع کر رکھتا چھپا کر ایک گوشہ میں مصفاً حوض بھر رکھتا وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا میں اپنی <sup>تیقّنی</sup> دیدار حضرت سے سمجھا لیتا مرے سر پر سے گذرانوں کے طوفان کا پانی تاثُّف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اس وقت نادانی اگر رکھتا میں اس پانی کی تھوڑی سی خبرداری تو ہو جاتا مری آنکھوں سے چشمیں کی طرح جاری یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے مجہد بھی وضو کرتے، نہاتے، غسل فرماتے حضور ساقی کوثر مری کچھ لاج رہ جاتی مری عزت مری شرم عقیدت آج رہ جاتی ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے الہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

اگر اب مرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی تو مجھ کو رحمت للعالیٰ سے شرم آئے گی  
 جلیل الشان مہماںوں کا صدقہ مہربانی کر عطا بہر وضو ان کے لیے تھوڑا سا پانی کر  
 برائے چند ساعت ابر باراں بکھج دے یارب بہاراں بکھج دے یارب بہاراں بکھج دے یارب

(حفیظ جاندھری)

## سوالات

- .1. صحرانے اپنے مقدر کی شکایت کن انظفوس میں کی ہے تفصیل سے لکھیے؟  
 یہاں ساقی کوٹ سے کیا مراد ہے؟
- .2. صحرایہ بات کیوں کہہ رہا ہے کہ ”میرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی“؟
- .3. صحرا اپنی کس نادانی پر تائُفت کا اظہار کر رہا ہے اور کیوں؟
- .4. آتش نہ برسانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .5. آخر میں شاعر کس بات کی دعا کر رہا ہے؟
- .6.

## سَرورِ جہان آبادی

(1910-1873)

درگاہی سے سرور، جہان آباد، مطلع پہلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ سرور کے والد مشی پیارے لال طبابت کرتے تھے۔ گھر میں فارسی اور اردو کا چرچا تھا۔ لڑکپن ہی سے شعروخن کی طرف مائل ہو گئے۔ ”ادیب“ اور ”مخزن“ میں ان کا کلام نمایاں طور پر شائع ہوتا تھا۔ عین جوانی میں یوہی کا انتقال ہو گیا۔ ایک سال کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ بھی دامغ مفارقت دے گیا۔ ان صدمات کا ان کے دل و دماغ پر شدید اثر ہوا۔ ہر وقت غم زدہ رہنے لگے۔ بالآخر سینتیس سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سرور جہان آبادی اٹھتے بیٹھتے شاعری میں گلن رہتے تھے۔ انہوں نے اگرچہ غرلیں بھی کہی ہیں، لیکن نظم گوکی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ سچ وطن پرست تھے، وطنی اور قومی موضوعات پر ڈوب کر لکھا ہے۔ ان کے یہاں ہندوستان کی مٹی اور ماہول کا گہرا احساس ہے۔ ان کی شعری فضا میں گنگا، جمنا، کوکل، بھوڑا، پدنی، دمیتی، ہنس وغیرہ کے ذکر سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ وطن کا تصور مان کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک تو ہندوستانی بوباس اور وطن سے محبت کی کیفیت ہے، دوسرا غم ناکی کا احساس ہے جو گہری دردمندی میں ڈھل جاتا ہے۔ انہوں نے حُسْنِ فطرت پر بھی بہت اچھی نظمیں لکھی ہیں۔ ”جامِ سرور“ اور ”خُم خانہ سرور“ ان کی شاعری کے مجموعے ہیں۔

## مادرِ وطن

واہ! یہ جاں بخش پانی، یہ ہوائے خوش گوار  
 سبز کھیتوں کی ہوا کئیں اور یہ میدانوں کی دُوب  
 خاک پر کیا کیا تری، تیرے ملینوں کو ہے ناز  
 واہ! یہ اشجار، یہ پھولوں کے زیور خوش نما  
 دل کو کرتی ہیں بزی دل کش صدائیں بے قرار  
 آرزوں کی ہے بزمِ انبساط افروز تو  
 کانپتے ہیں دشمنوں کے تیری بیت سے جگر  
 دل ہے تو، سرمایہِ صبر و شکر جاں ہے تو  
 سینہ پُر غم میں میرے ہے نفس کا تار تو  
 تیری تصویرِ مقدس ہر صنم خانے میں ہے  
 لُطف و داش کی ہے دیوی، مادرِ غم خوار تو  
 دل کے مدر کی ہے زینتِ موہنی مورت تری  
 واہ! یہ شفقت بھری تیری صدائے دل نواز  
 تختۂ خلد بریں ہے تیری خوش منظر زمیں  
 تیرے پاکیزہ شر ہیں میوہ شاخِ سور  
 خلد کی ہے پاک دیوی، مادرِ دم ساز تو

(سرورِ جہان آبادی)

## سوالات

- .1 نظم کے پہلے بند میں شاعر وطن کی کن کن چیزوں کی تعریف کر رہا ہے؟
- .2 مادر وطن کو آرزوؤں کی بزم انبساط کیوں کہا گیا ہے؟
- .3 مادر وطن کو قوت باز و اور غم خوار کہنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- .4 شاعر کو وطن کا جلوہ کہاں کہاں نظر آتا ہے؟
- .5 نظم کے آخری بند کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔